نئی حویلی

حویلی اک بناتے ہیں
حویلی کے ستونوں کو
ہوس کے، شہوتوں کے بیل بوٹے سے سجاتے ہیں
تراشیں در دریچوں کو
جہاں منڈیر ڈھلتی ہے
دیا، دولت کے ایندھن سے وہاں آؤ جلاتے ہیں

حویلی اک بناتے ہیں
اُجالے پھینک کر باہر گلی میں
چھل کچھ قمقموں سے لے کے آتے ہیں
وہ ننھے قہقہے میرے مماولوں کے
کچل کر ان کو اک تہذیب کا آئیں بناتے ہیں
حویلی ہو بڑی سی اور۔۔
بہت سے اُس میں کمرے ہوں
ہر اک کمرے میں اک آراستہ کرسی پڑی ہو اور
گھمائیں اس کو جب بھی تو
سمے یوں ٹکٹکی باندھے
اُسے دیکھے
لگے یوں گردشِ حالات اس کُرسی کے ہیں مرہوں
کہ ہو گا حُرمتِ جذبات کا بھی بس اسی سے خوں
عقب میں دور اک حصہ کہ جس میں ہے
کہیں تدریس کا پیشہ، کہیں تعمیر کا پیشہ
ارے، تدریس پیشہ ہے؟
تو کیا تعمیر پیشہ ہے؟
اگر پیشہ ہے تو نامہ فصیلوں پر سجاتے ہیں
اگر پیشہ ہے تو اُس کی بڑی بولی لگاتے ہیں

حویلی اک بناتے ہیں
وہاں مدخل پہ، استقبالیہ ہو جس پہ اک لڑکی
ہنسی کو بیچتی ہو، مسکراہٹ کی زباں بولے
اٹھائے تاک رکھے، صنف جو اُس میں حیا کی ہو
وبالِ جاں ہو اس کی بے رُخی، صورت بلا کی ہو
ذرا اُس سے قدم آگے، ذہانت کی دُکاں کھولے
بہت سے خوبرو چہرے
تکلم بیچتے ہوں، زرنشیں باڑوں میں لپٹے ہوں
تعلم کھوجنے والے، اُنہیں باڑوں سے چمٹے ہوں
انہیں بیلوں کو گویا ڈور سے منڈھے لگاتے ہیں

حویلی اک بناتے ہیں
کہیں گُم گوش حصے میں
الگ درجے کہ ہر درجہ بھرا ہے نوجوانوں سے
اُٹھائے کاسۂ تشنہ۔۔
کہ جیسے چار بوندیں ان کو بھی سیراب کر دیں گی
تراشیں گی حجر کو، گوہرِ نایاب کر دیں گی
مگر ہوں شعلہ بر نظریں
جو کر دیں کاسۂ تشنہ میں اک ایسا شگافِ دُر
زمانہ بیت بھی جائے مگر نہ جوف اس کا پُر
نگاہوں میں تمازت آوَ لاتے ہیں
حویلی اک بناتے ہیں
حویلی بن گئی سعد
فصیلیں، در، دریچے سب بنے مطلوب کی مانند
نگاہیں، کاسۂ تشنہ بھی ہیں محبوب کی مانند
تکلف اور مدخل بھی بایں مطلوب کی مانند
مموِلے سسکے اور تکلم سود کی مانند
دیے میں دولت و عشرت، ترنگِ خوب کی مانند
تلاطم کر دیا پیدا، مٹا رکھی سیادت بھی
نویلی اِس حویلی نے۔۔۔۔

نہیں ہے وہ زمانہ دُور کہ سب یک زُباں ہوں گے
بنی تر موم سے اس کج حویلی پر فُغاں ہوں گے
بنی تر موم سے اس کج حویلی کو گراتے ہیں
حویلی اک بناتے ہیں